© rasailojaraid.com

پر جو لوگ اتر آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب ہر مولوی کو میٹرک تک انگریزی پڑھا کر نکالو تاکہ کم از کم تار پڑھنے اور لکھنے کے قابل تو ہو جائے۔ لیکن یہ جدت جو آج دکھائی جا رہی ہے، یہ اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ اسکی عمر اتنی ہے جتنی آپکے دار العلوم ندوۃ العلماء کی عمر ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پہلے سے کچھ زیادہ کامیاب قسم کے مولوی پیدا ہو جائیں جو کچھ جرمنی اور امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس قدر اسی اصلاح کا یہ نتیجہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علماء اسلام کے ہاتھ میں آجائیں، اور وہ دنیا جو آج آگ کی طرف چلانے والے ائمہ (Leaders) کے پیچھے چل رہی ہے، جنت کی طرف بلانے والے ائمہ کی رہبری قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ نتیجہ اگر حاصل کرنا مقصود ہو تو آپ کو مکمل انقلابی اصلاحات کے لیے تیار ہونا پڑیگا اور اس سارے نظام تعلیم کو ادھیڑ کر از سر نو ایک دوسرا ہی نظام تعلیم بنانا ہوگا۔ اس صحبت میں اسی نئے نظام تعلیم کا نقشہ میں آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

علم اور امامت کا رشتہ سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اس دنیا میں امامت و قیادت Leadership کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ کیا چیز ہے جس کی بنا پر کبھی مصر امام بنتا ہے اور دنیا اسکے پیچھے چلتی ہے، کبھی بابل امام بنتا ہے اور دنیا اسکی پیروی کرتی ہے، کبھی یونان امام بنتا ہے اور دنیا اس کا اتباع کرتی ہے، کبھی اسلام قبول کرنے والی اقوام امام بنتی ہیں اور دنیا انکے نقش قدم پر ہو لیتی ہے، اور کبھی یورپ امام بنتا ہے اور دنیا اسکی تبع بن جاتی ہے؟ پھر وہ کیا چیز ہے جسکی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے، کل اس سے چھن کر دوسرے کی طرف چلی جاتی ہے، اور پرسوں اُس سے بھی سلب ہو کر تیسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے؟ کیا یہ محض ایک بے ضابطہ اتفاقی امر ہے یا اس کا کوئی ضابطہ اور اصل مقرر بھی ہے؟ اس مسئلہ پر جتنا زیادہ غور کیا جائے اس کا جواب یہی ملتا ہے کہ ہاں اس کا ضابطہ ہے، اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہیگا۔ انسان کو بحیثیت ایک نوع کے زمین کی خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے۔ اس کو سمع، بصر، اور فواد، تین چیزیں ایسی دی گئیں جو دوسری مخلوقات ارضی کو یا تو نہیں دی گئیں یا اسکی بہ نسبت کم تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی گئی ہیں۔ اسلیے وہ اس بات کا اہل ہوا کہ دوسری مخلوقات پر خداوندِ عالم کا خلیفہ بنایا جائے۔ اب خود اس نوع میں سے جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں اور گروہوں سے آگے بڑھ جائیگا وہ اُسی طرح ان سب کا امام بننے کا اہل ہوگا جس طرح انسان من حیث النوع دوسری انواعِ ارضی پر اسی چیز کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل ہوا ہے۔

تقسیم امامت کا ضابطہ اس جواب سے خود بخود دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ علم سے مراد کیا ہے؟ اور اُس میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کا مفہوم کیا ہے؟ اس مسئلہ کا حل سمع، بصر، اور فؤاد ہی کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ کلام الٰہی میں یہ تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں، بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کی ہوئی معلومات حاصل کرنا ہے، بصر سے مراد خود مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہنچانا ہے، اور فؤاد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کو مرتب کرنا اور نتائج اخذ کرنا ہے۔ یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جسکی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ بر سبیل اطلاق اگر دیکھا جائے تو تمام انسان ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں اور اسی وجہ سے مخلوقاتِ ارضی پر خلیفانہ تسلط ہر انسان کو حاصل ہے۔ ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھیے گا تو معلوم ہوگا کہ جو انسان انفرادی طور پر، اور جو انسانی گروہ اجتماعی طور پر ان تینوں قوتوں سے کم کام لیتے ہیں وہ پست اور مغلوب رہتے ہیں، انہیں تابع اور مطیع بن کر رہنا پڑتا ہے، ان کا کام پیچھے ہی چلنا ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے جو ان تینوں سے زیادہ کام لیتے ہیں وہ برتر و غالب ہوتے ہیں، متبوع اور مطاع بنتے ہیں، رہنمائی و پیشوائی انہی کے حصہ میں آتی ہے۔ مگر امامت ملنے اور چھننے کا ضابطہ معلوم کرنے کے لیے آپکو اس سے بھی زیادہ تفصیلی نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس تفصیلی نگاہ میں آپکو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ ایک گروہ تمام انسانوں کا امام اُس وقت بنتا ہے جب وہ ایک طرف اُن معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرتا ہے جو ماضی اور حال کے انسانوں سے حاصل ہو سکتی ہیں، اور دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف خود اپنے مشاہدہ سے مزید معلومات فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے، تیسری طرف اِن دونوں قسم کی معلومات کو مرتب کرکے نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر اُن نتائج سے کام لیتا ہے، پہلے کی جو چیزیں غلط ۔۔ کم از کم اسکے اخذ کردہ نتائج کے لحاظ سے غلط ۔۔ ثابت ہوتی ہیں انکی اصلاح کرتا ہے، پہلے کی جن چیزوں کا نقص ۔۔ کم از کم اس کے فہم کے لحاظ سے ۔۔ اس پر کھلتا ہے اُنکی تکمیل کرتا ہے، اور جو نئی چیزیں علم میں آتی ہیں ان سے اپنی حدِ وسع تک زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صفات جب تک اُس گروہ میں تمام دوسرے انسانی گروہوں سے زیادہ رہتی ہیں، وہی پوری نوع کا امام ہوتا ہے اور جو ان صفات کے اعتبار سے کم تر ہوتے ہیں اُن کے لیے اللہ کی اَمٹ تقدیر یہ ہے کہ وہ اسکی اطاعت بھی کریں اور اتباع بھی ۔۔ اگر قسمت کی یاوری نے اطاعت سے بچا بھی لیا تو انکے لیے اتباع سے تو کوئی مفر نہیں ہوتا، خواہ جان بوجھ کر بالارادہ کریں، خواہ بے جانے بوجھے اضطراراً کریں ۔۔ اس دورِ عروج کے بعد جب اس گروہ کے زوال کا وقت آتا ہے تو وہ تھک کر اور اپنے کیے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدہ سے مزید معلومات حاصل کرنے اور فؤاد سے مزید نتائج اخذ کرنے کی کوشش چھوڑ دیتا ہے، اور اس کا تمام سرمایۂ علمی صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اسکے لیے علم کے معنی صرف یہ جاننے کے ہو جاتے ہیں کہ پہلے جو معلومات حاصل کی گئی تھیں اور ان سے جو نتائج اخذ کیے گئے تھے وہ کیا تھے۔ اب وہ اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ جو علم پہلے حاصل کیا جا چکا ہے وہ کافی ہے، اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، پہلے جو نتائج اخذ کیے جا چکے ہیں وہ صحیح ہیں، ان میں کسی اصلاح و ترقی کا موقع نہیں، پہلے جتنی تعمیر ہو چکی ہے وہ مکمل ہے، نہ اس میں ترمیم ہی کی جا سکتی ہے اور نہ اس سے آگے مزید تعمیر ہی ممکن ہے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ گروہ خود امامت سے ہٹ جاتا ہے اور نہ ہٹنا چاہے تو زبردستی ہٹا دیا جاتا ہے۔ پھر جو دوسرا گروہ مزید اکتسابِ علم، مزید اخذِ نتائج، اور مزید تعمیرِ حیات کا عزم لیکر آگے بڑھتا ہے امامت و قیادت اس کا حصہ ہوتی ہے، اور وہ صاحب جو پہلے امام تھے اب مقتدی بنتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، جو پہلے مطاع و متبوع تھے، اب مطیع و تابع بنتے ہیں، جو پہلے جیتے جاگتے علم کے مالک اور دنیا کے استاد بنے ہوئے تھے، اب عجائب خانۂ آثار قدیمہ میں بھیج دیے جاتے ہیں تاکہ بیٹھے علوم اوائل کی تشریح کرتے رہیں۔

موجودہ "اسلامی نظام تعلیم" کا بنیادی نقص اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امامت، خواہ وہ آگ کی طرف لیجانے والی ہو یا جنت کی طرف، بہرحال اُس گروہ کا حصہ ہے جو سمع و بصر و فؤاد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے اور اس میں کوئی رورعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خواہ خداشناس ہو یا ناخداشناس، بہرحال وہ یہ شرط پوری کریگا تو دنیا کا امام بن جائیگا اور نہ کریگا تو مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی بننے سے نہ بچ سکیگا۔

آپکو جس چیز نے امامت کے منصب سے ہٹایا اور ناخداشناس اہلِ مغرب کو اس پر لابٹھایا وہ دراصل یہی ضابطہ ہے۔ آپکے ہاں مدتہائے دراز سے علم کی جو حالت تھی اُس میں بصر اور فؤاد دونوں معطل تھے، اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔ بخلاف اسکے ناخداشناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا اور اس نے سمع سے بھی آپ سے بڑھ کر کام لیا اور بصر و فؤاد کا کام تو پچھلی ڈھائی تین صدیوں میں تمام تر اسی نے انجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام بن گیا اور آپ مقتدی بن کر رہ گئے۔ آپکی دینی تعلیم کے تمام مرکز ابھی تک اپنی اُسی غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جس نے آپکو اس درجہ پر پہنچایا ہے۔ ان کے ہاں علم محض علوم اوائل کے پڑھنے پڑھانے تک محدود ہے۔ ندوہ اور ازہر نے اصلاح کی طرف ایک قدم بڑھایا، مگر اس کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ سمع کا دائرہ حال کی معلومات تک بڑھا دیا جائے۔ بصر اور فؤاد پھر بھی معطل کے معطل ہی رہے۔ اس علم کا فائدہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی بڑھیا قسم کے مقتدی بن جائیں۔ امامت بہرحال آپ کو نہیں مل سکتی۔ اس وقت تک جتنی اصلاحی تجویزیں میری نظر سے گذری ہیں وہ سب کی سب بہتر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقتدی ہی بنانے والی ہیں۔ امام بنانے والی کوئی تجویز ابھی تک نہیں سوجھی گئی حالانکہ دنیا کی واحد خدا شناس جماعت ہونے کی حیثیت سے جو فرض آپ کے ذمہ عائد ہوتا ہے اسکو آپ انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ آپ ناخدا شناس لوگوں سے دنیا کی امامت کا منصب چھین کر خود اس پر قبضہ نہ کریں۔ اور اسکی کوئی صورت اسکے سوا نہیں ہے کہ آپ مجرد سمعی علم پر قناعت کا خیال چھوڑیں اور بصر و فواد سے نہ صرف کام لیں بلکہ اس میں دنیا کے تمام گروہوں پر فوق لے جائیں۔

کس قسم کی اصلاح درکار ہے یہ جو میں نے عرض کیا کہ "دنیا کی واحد شناس جماعت ہونے کی حیثیت سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اسکو آپ انجام نہیں دے سکتے جب تک یہ کام نہ کریں"۔ یہ دراصل میری اس تمام بحث کا مرکزی نکتہ ہے اسیلیے میں اسکی مزید تشریح کرونگا۔ اگر محض ایک انسانی گروہ ہونے کی حیثیت سے مطلقاً امام بننے کا سوال ہو تب تو آپکو کسی اصلاح تعلیم یا تجدید نظام تعلیمی کی ضرورت نہیں۔ سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی، یا مصر و ایران و ٹرکی کی سرکاری یونیورسٹیوں کے طرز پر تعلیم کے میدان میں پیش قدمی فرمایئے اور اُسی قسم کی امامت کے لیے امیدوار بن جائیے جیسی اس وقت یورپ اور امریکہ کو حاصل ہے اور جسکے لیے اب جاپان مسابقت کر رہا ہے۔ مگر خدا شناس گروہ ہونے کی حیثیت سے آپکی یہ پوزیشن نہیں ہے۔ آپکی یہ پوزیشن ہرگز نہیں ہے کہ آپ محض اپنے لیے امامت چاہتے ہوں خواہ وہ امامت داعیہ الی النار ہو یا داعیہ الی الجنت۔ یورپ سے آپکا جھگڑا اس بنا پر نہیں ہے کہ دنیا کا امام وہ نہ رہے، اسکی جگہ آپ ہو جائیں۔ بلکہ اس سے آپکا جھگڑا اصول اور مقصد کا جھگڑا ہے۔ وہ ناخدا شناسی بلکہ خدا سے بغاوت اور طغیان کی بنا پر دنیا کی امامت کر رہا ہے اور آگ کی طرف ساری دنیا کو لیجا رہا ہے۔ بخلاف اسکے آپ خدا شناس گروہ انسانی ہیں۔ خدا کی اطاعت پر آپکے مسلک کی بنیاد ہے۔ آپکے ایمان کی رو سے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ نہ صرف خود آگ کے راستہ سے بچ کر جنت کے راستہ پر جائیں بلکہ دنیا کو بھی اسی راستہ پر چلائیں۔ اور یہ فرض آپ انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ آپ اُس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امامت چھین کر خود امام نہ بنیں - یہاں سوال نسلی یا جغرافی نہیں، خالص اصولی ہے - ناخداشناسی کی امامت اگر ترک، یا ایرانی یا مصری یا ہندوستانی کی ہو تو وہ بھی اسی طرح مٹا دینے کے قابل ہے جس طرح فرنگی یا جاپانی کی - اور خداشناسی کی بنیاد پر جو امامت ہو وہی مطلوب ہے خواہ اسکے علمبردار ہندی ہوں یا فرنگی یا کوئی اور -

ناخداشناس امامت کے نتائج کسی امام کے داعی الی النار یا داعی الی الجنۃ ہونے کا مدار بالکل اسکے خداشناس یا ناخداشناس ہونے پر ہے - جب کوئی ایسا گروہ جو خداشناس نہ ہو اپنے علمی اجتہاد کی بدولت دنیا کا امام بن جاتا ہے، تو وہ تمام سمعی و بصری معلومات کو اِس نقطۂ نظر سے جمع کرتا ہے اور اِسی نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کرتا ہے کہ اِس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے، انسان محض ایک غیر مسئول (Irresponsible) ہستی ہے - دنیا کی جو چیزیں اُسکے لیے مسخر ہیں وہ سب اُسکی مِلک ہیں جن سے کام لینے کا مقصد اور طریقہ متعین کرنے میں وہ مختار محض ہے، اور اُسکی تمام سعی و جہد کا منتہائے مقصود اِسکے سوا کچھ نہیں کہ اپنی خواہشاتِ نفس کی خدمت کرے - معلومات کے اِس اساس پر مرتب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکمت نظری اور حکمت عملی دونوں کا نشوونما خدا پرستی کی بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے، یہی حکمت تمام دنیا کے قلوب و اذہان پر چھا جاتی ہے، اسی سے خالص مادہ پرستانہ اخلاقیات پیدا ہوتے ہیں، اسی پر انسان اور انسان کے درمیان تعلق کے تمام ضابطے بنتے ہیں، اسی کے مطابق انسان اپنی حاصل شدہ قوتوں کا مصرف معین کرتا ہے، اور فی الجملہ ساری انسانی زندگی کا بہاؤ اِس راستہ کی طرف چل پڑتا ہے جسکی آخری منزلوں پر پہنچ کر اس دنیا ہی سے عذاب جہنم کی ابتدا ہو جاتی ہے جیسا کہ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - یہ ناخداشناس حکمت جب تک دنیا کے افکار، اخلاق، تمدن، ہر چیز پر چھائی رہتی ہے، خداشناسی کے نقطۂ نظر اور اُس اخلاق و تمدن کے لیے جو اس نقطۂ نظر پر مبنی ہو، زمین و آسمان کے درمیان کوئی جگہ نہیں رہتی - لوگوں کے سوچنے کا انداز اُسکے خلاف ہوتا ہے، طبائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی افتاد اور مزاجوں کی پسند اسکے خلاف ہوتی ہے، انسانی معلومات کی بگڑی ہوئی ترتیب اسکے خلاف شہادت دیتی ہے، اخلاق کے سارے اصول اور قدر و قیمت کے سارے معیار اُس سے منحرف ہو جاتے ہیں، زندگی کے تمام ضابطے اور انسانی سعی وعمل کے سارے ہنگامے اسکو اپنے درمیان جگہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں، اور اس صورت حال میں صرف یہی نہیں ہوتا کہ خدا پرستی کے مسلک کی ہر چیز دنیا میں نامقبول و نامعقول ہو کر رہ جاتی ہے، بلکہ خود وہ لوگ جو اس مسلک کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں فی الواقع اسکی پیروی کر نہیں سکتے، زندگی کے دریا کا بہاؤ زبردستی کھینچ کر ان کو اپنے راستے پر لے جاتا ہے، اور اسکے خلاف زیادہ سے زیادہ کشمکش وہ بس اتنی ہی کر سکتے ہیں کہ سر کے بل بہنے کے بجائے احتجاجاً پاؤں کے بل بہیں۔

جو گروہ خیالات کے میدان میں امام بنتا ہے، اور جو کائنات فطرت کی طاقتوں کو اپنے علم سے مسخر کر کے ان سے کام لیتا ہے اسکی امامت صرف خیالات ہی کے عالم تک محدود نہیں رہتی بلکہ زندگی کے پورے دائرے پر چھا جاتی ہے۔ زمین پر اسکا تسلط ہوتا ہے۔ رزق کی کنجیاں اُسکے قبضہ میں ہوتی ہیں۔ حاکمانہ اختیارات اسے حاصل ہوتے ہیں۔ سیلئے انسانی حیات اجتماعی کا سارا کاروبار اُس ڈھنگ اور اُس نقشے پر چلنے لگتا ہے جس پر وہ گروہ اپنی ذہنیت اور اپنے زاویۂ نظر کے مطابق اسے چلانا چاہتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ گروہ جسکو یہ تسلط دنیا اور اسکے معاملات پر حاصل ہے، خدا سے پھرا ہوا ہو، تو اُسکے حیطۂ اقتدار میں رہتے ہوئے کوئی ایسا گروہ پنپ نہیں سکتا جو خدا کی طرف پھرنا چاہتا ہو۔ جس گاڑی میں آپ بیٹھے ہوں اگر اُس کا ڈرائیور اسے کلکتہ کی طرف لیجا رہا ہو تو آپ کراچی کی طرف جا ہی کیسے سکتے ہیں۔ چار و ناچار آپکو اسی طرف جانا پڑیگا جدھر ڈرائیور جانا چاہتا ہے۔ آپ بہت بگڑینگے تو اتنا کر لینگے کہ اسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنا رخ کلکتہ سے کراچی کی طرف پھیر لیں، اور برضا و رغبت نہ سہی کشاں کشاں اُس منزل پر جا پہنچیں جو آپ کی منزل مقصود کے عین مخالف سمت میں واقع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ صورت حال یہی صورت حال اسوقت فی الواقع درپیش ہے - آپکے امامت سے ہٹنے کے بعد جب یورپ نے علم کے میدان میں پیش قدمی کی تو ناگزیر اسباب نے اسکی نگاہ کا زاویہ خدا سے بیزاری (Theophobia) کی طرف پھیر دیا - اسی نقطۂ نظر سے اس نے تمام سمعی معلومات کو جمع کیا، اسی نقطۂ نظر سے اس نے آثار کائنات کا مشاہدہ کیا، اسی نقطۂ نظر سے اس نے معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کیے، اسی نقطۂ نظر سے اس نے زندگی کے مقاصد، اخلاق کے اصول، تمدن کے ضوابط، اور انفرادی و اجتماعی برتاؤ کے ڈھنگ متعین کیے، اور اسی نقطۂ نظر سے اس نے ان تمام قوتوں کے مصرف تجویز کیے جو اسے تحقیق و اجتہاد کی بدولت حاصل ہوئی تھیں - پھر جب اس علم کے زیر پروردہ اٹھا تو ایک طرف زمینیں کی زمینیں اور قومیں کی قومیں اسکے آگے مسخر ہوتی چلی گئیں، اور دوسری طرف وہی علم، وہی ذہنیت، وہی مقاصد و غایات، وہی فکری ساخت، وہی اخلاقی روش، وہی تمدنی قواعد و ضوابط، غرض وہی سب کچھ جو اس امام غالب کے پاس تھا، تمام دنیا پر چھا گیا - اب حال یہ ہے کہ ایک بچہ جب سے ہوش سنبھالتا ہے اُسی وقت سے اسکے ذہن اور اسکی زندگی کی تعمیر اُس نقشہ پر ہونے لگتی ہے جو یورپ کی امامت میں بنا ہے - سمعی معلومات اُسی ترتیب سے اسکے دماغ میں اترتی ہیں، مشاہدہ کے لیے وہی نقطۂ نظر اسے ملتا ہے، نتائج اخذ کرنے کی ساری تربیت اُسی طرز پر اسے حاصل ہوتی ہے، حق اور باطل، صحیح اور غلط، مقبول اور مردود کی تعیین کے لیے بھی معیار اُسے میسر آتا ہے، اخلاق کے وہی اصول، زندگی کے وہی مقاصد اور سعی و عمل کے وہی راستے اُسکے سامنے روشن ہوتے ہیں، اپنے گرد و پیش زندگی کا سارا کارخانہ اُسی ڈھنگ پر اسے چلتا ہوا ملتا ہے، اور جب وہ اس طرح پروان چڑھنے کے بعد خود کارگاہ حیات میں حصہ لینے کے لیے تیار ہوتا ہے تو چونکہ یہی ایک مشین دنیا میں چل رہی ہے اور کوئی دوسری مشین چلنے والی موجود نہیں ہے، اسلیے اسی کا پرزہ اسکو بن جانا پڑتا ہے - ناخداشناس تہذیب و تمدن کے اس کامل تسلط میں اول تو یہی سخت مشکل ہے کہ خداپرستانہ نظریۂ حیات، مقصدِ زندگی اور اصولِ اخلاق کو دلوں اور دماغوں میں راہ مل سکے کیونکہ علوم و فنون کی ساری ترتیب اور زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی پوری روش اُسکے بالکل برعکس سمت میں پھری ہوئی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ ایسے نکل بھی آئیں جنکے ذہن میں یہ تخم جڑ پکڑ لے، تب بھی گردوپیش کی پوری فضا اسکو غذا دینے سے انکار کردیتی ہے۔ اسکو نہ کہیں علوم سے تائید ملتی ہے، نہ زندگی کے بنے اور جمے ہوئے نقشے اسکا ساتھ دیتے ہیں، نہ دنیا کے چلتے ہوئے معاملات ہی میں کہیں اسکی جگہ نظر آتی ہے۔ جس قدر معلومات گذشتہ پانسو برس کی مدت میں انسان کو حاصل ہوئی ہیں انکو مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کا سارا کام ناخداشناس لوگوں نے کیا ہے۔ خداپرستی کے نقطۂ نظر سے انکی ترتیب کا اور اخذِ نتائج کا کوئی کام ہوا ہی نہیں۔ فطرت کی جو طاقتیں اس دوران میں انسان کے لیے مسخر ہوئیں اور قوانینِ طبیعی کی مزید دریافت سے جو فوائد حاصل ہوئے ان سے بھی خدا پرستوں نے نہیں بلکہ خدا کے باغیوں نے کام لیا اسلیے ناگزیر تھا کہ تمدنِ انسانی میں ان سب کا مصرف وہی مقرر ہوتا جو انکے مقاصدِ زندگی اور اصولِ اخلاق کے مناسبِ حال تھا۔ اسی طرح اجتماعی معاملات کی تنظیم کے جتنے نظری خاکے اور عملی طریقے اس دوران میں سوچے اور عملاً چلائے گئے اُن سب کے سوچنے اور چلانے والے وہ دماغ اور وہ ہاتھ نہ تھے جن پر خداپرستی کا مسلک فرمانروا ہوتا، بلکہ وہ تھے جو خدا کی اطاعت سے منحرف تھے، اسلیے نظریات اور عملیات کے میدان پر آج سارے کے سارے وہی نقشے چھائے ہوئے ہیں جو انہوں نے بنائے ہیں، اور ایسا کوئی نقشہ جو خداپرستانہ مسلک کی بنیاد پر بنا ہو، عملاً تو کیا موجود ہوتا، نظریہ کی شکل میں بھی ایسی تفصیلی ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں ہے جو آج کے حالات سے ربط کھاتا ہو اور جس میں آج کے مسائلِ حیات کا پورا پورا حل مل سکے۔ اب اگر اس مسلک پر اعتقاد رکھنے والا کوئی شخص راہب بن کر دنیا اور اسکی زندگی سے الگ تھلگ کسی گوشے میں جا بیٹھے اور پانسو برس پہلے کی فضا اپنے اوپر طاری کرلے تب تو بات دوسری ہے، ورنہ اس دنیا کے معاملات میں ایک زندہ انسان کی حیثیت سے حصہ لینے کی صورت میں تو قدم قدم پر اسکے لیے مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ اپنے مسلک میں نیک نیت اور صحیح الاعتقاد ہونے کے باوجود بارہا وہ نادانستہ اُن فکری اور عملی راہوں پر چل پڑتا ہے، اور بارہا اسے مجبوراً اُن راہوں پر چلنا پڑتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اسکے مسلک سے بالکل مختلف ہیں۔ نئی معلومات جب اسکے سامنے آتی ہیں تو اسکے لیے سخت دشوار ہوتا ہے کہ حقائق (facts) کو اُن ناخداشناس لوگوں کے نقطۂ نظر اور اخذ کردہ نتائج سے الگ کر سکے جنہوں نے انکی دریافت، ترتیب اور استنتاج کا سارا کام انجام دیا ہے، اسلیے اکثر وہ اس طرح حقائق کے ساتھ ساتھ انکے نظریات اور نتائج کو بھی ہضم کر جاتا ہے کہ اسے اس امر کا شعور تک نہیں ہوتا کہ امرت کے ساتھ کتنا زہر اسکے اندر اتر گیا۔ اسی طرح زندگی کے عملی معاملات سے جب اسکو واسطہ پیش آتا ہے تو وہ سخت مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرے۔ بہت سے اجتماعی نظریات جو فی الاصل اسکے مسلک کے خلاف ہیں، اُسکے دل و دماغ پر زبردستی چھا جاتے ہیں، کیونکہ دنیا میں ہر طرف چلن ہی ان کا ہے، بہت سے عملی طریقوں کو غلط سمجھنے کے باوجود محض اس بنا پر وہ اختیار کرتا ہے کہ ان سے ہٹ کر وہ کوئی دوسری راہ سوچ نہیں سکتا۔ اور بہت سی غلط راہوں پر اسے مجبوراً اس لیے چلنا پڑتا ہے کہ ان پر چلے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔

انقلاب امامت کے لیے انقلاب تعلیم ناگزیر ہے — حضرات! یہ ہے وہ صورت حال جس میں اس وقت آپ مبتلا ہیں۔ میں نے اس صورت حال کا جو تجزیہ کیا ہے، اگر اس میں کوئی غلطی آپ پاتے ہوں، تو براہ کرم مجھے بھی اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ میں اس پر نظر ثانی کر سکوں۔ لیکن اگر یہ تجزیہ صحیح ہے تو اس سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

اوّلاً، ناخداشناس ائمہ کی امامت میں رہ کر خداشناسی و خداپرستی کا مسلک زندہ نہیں رہ سکتا لہذا جو کوئی اس مسلک پر اعتقاد رکھتا ہو اسکے عین ایمان و اعتقاد کا اقتضاء یہ ہے کہ اس امامت کو مٹانے اور خداشناس امامت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

ثانیاً، جو نظام تعلیم محض پرانے سمعی علوم کی حد تک محدود ہے اُس میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ امامت میں اتنا بڑا انقلاب کرنے کے لیے آپکو تیار کر سکے۔ لہذا اگر آپ اس پر راضی ہوں کہ خداپرستی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مسلک بتدریج مٹتے مٹتے دنیا سے فنا ہو جائے تب تو شوق سے اسی نظام تعلیم پر جمے رہیں، ورنہ اسے آپ کو بدلنا ہوگا۔

ثالثاً، جو نظام تعلیم تمام علوم کو اُسی ترتیب اور اُسی زاویۂ نظر سے لیتا ہے جو ناخدا شناس ائمہ کی ترتیب اور اُن کا زاویۂ نظر ہے، اور جو اُس تمدنی مشین کا پرزہ بننے کے لیے انسان کو تیار کرتا ہے جو ان ائمۂ ضلال نے بنائی ہے، وہ دراصل ارتداد کا مجرب نسخہ ہے۔ اِس سے بڑھ کر کوئی فریب نہیں ہو سکتا کہ اِس نوعیت کی کسی تعلیم گاہ پر مسلم یونیورسٹی، یا اسلامیہ کالج، یا اسلامیہ ہائی اسکول کے الفاظ کا اطلاق کیا جائے۔ اور اس تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے لاکر جوڑ دینا ۹۵ فی صدی تو بالکل ہی لاحاصل ہے، اور ۵ فی صدی فائدہ اگر اس سے حاصل ہو بھی سکتا ہے تو وہ بس اِس قدر کہ لوگ کچھ مدت تک کفر کے راستہ پر خدا کا نام لیتے ہوئے چلتے رہیں۔

رابعاً اصلاح تعلیم کا یہ لائحہ کہ علوم اسلامی کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے، یہ بھی امامت میں انقلاب کرنے کے لیے آپکو تیار نہیں کر سکتا۔ اسلیے کہ فلسفہ، سائنس، تاریخ، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علوم جو اس وقت مدوّن و مرتب صورت میں آپ کو ملتے ہیں وہ سب کے سب ناخدا شناس لوگوں کی فکر و تحقیق کا نتیجہ ہیں اور انکی ترتیب و تدوین میں اس گروہ کا نقطۂ نظر اس طرح پیوست ہے کہ حقائق واقعیہ کو نظریات اور اوہام و تعصبات اور اھواء و رجحانات سے الگ چھانٹ لینا اور خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے اُن کو بطور خود مرتب کرکے دوسرے نظریات قائم کرنا نہ ہر طالب علم کے بس کی بات ہے نہ ہر استاد کے بس کی۔ اب اگر آپ ایک طرف پرانے علوم کو پرانی ترتیب کے ساتھ، اور نئے علوم کو اس خاص ترتیب کے ساتھ جو اس وقت پائی جاتی ہے، ملاکر پڑھائینگے تو ان دو متضاد طاقتوں کے میل سے عجیب عجیب قسم کے مرکبات پیدا ہونگے۔ کوئی پرانے علوم سے مغلوب ہوگا تو مولوی بن جائیگا۔ کوئی نئے علوم سے مفتوح ہوگا تو مسٹریت کی طرف چلا جائیگا بلکہ کامریڈیت تک جا پہنچے گا۔ کوئی دونوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان مذبذب ہو کر مضمحل ہو جائیگا۔ بہت ہی کم آدمی اس نظامِ تعلیمی سے ایسے نکل سکتے ہیں جو دونوں قسم کے علوم کو جوڑ کر کوئی صحیح مرکب بنا سکیں، اور ان کا بھی اس قدر طاقتور ہونا بہت مشکل ہے کہ اٹھ کر خیالات اور زندگی کے دھارے کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیں۔

یہ نتائج جو میں نے حالات کے تجزیہ سے اخذ کیے ہیں اگر ان میں کوئی غلطی ہو تو میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس سے آگاہ فرمائیں۔ لیکن اگر ان نتائج کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں، تو اب میں کہتا ہوں کہ امامت میں انقلاب کرنے کی اسکے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تینوں نظاماتِ تعلیمی سے ہٹ کر ایک بالکل نیا نظامِ تعلیم بنایا جائے جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے لیکر انتہائی مدارج تک تینوں سے مختلف ہو۔

نئے نظامِ تعلیم کا خاکہ

اس انقلابی اصلاح کی ضرورت ثابت کرنے کے بعد میں اُس نظام کی تعمیر کا ایک خاکہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

پہلی خصوصیت سب سے پہلی چیز جو اس نئے نظام میں ہونی چاہیے، وہ یہ ہے کہ دینی اور دنیوی علوم کی انفرادیت مٹا کر دونوں کو اس میں یکجان کر دیا جائے۔ علوم کو دینی اور دنیوی، دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علحدگی کے تصور پر مبنی ہے، اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے، اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں، اور دنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اسکی ہدایت کے مطابق ہو، اسی چیز کا نام دین ہے۔ اس تصورِ دین کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے۔ ورنہ اگر کچھ علوم دنیوی ہوں اور وہ خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے خالی رہیں، اور کچھ دوسرے علوم دینی ہوں اور وہ دنیوی علوم سے الگ پڑھائے جائیں، تو ایک بچہ شروع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ نشو و نما پائیگا کہ دنیا کسی اور چیز کا نام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے عنوان کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے پوری تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جنکی نظر تاریخ اسلام اور تاریخ مسلمین کے اصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی اور جس نے تاریخ مسلمین پر تاریخ اسلام کے نقطۂ نظر سے نقد و تبصرہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی اقوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مضمون ہے جسکی پیچیدگیوں میں پہلے بھی لوگ الجھے رہے ہیں اور اب تک الجھے ہوئے ہیں، چنانچہ شاہ صاحب کے بعد بھی کوئی ایسا صاحب نظر نہ اٹھا جسکے ذہن میں حقیقی تاریخ اسلام کا تاریخ مسلمین سے الگ، کوئی واضح تصور ہوتا۔ شاہ صاحب کے کلام میں مختلف مقامات پر اس کے متعلق اشارات موجود ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ ازالۃ الخفا کی فصل ششم میں انہوں نے صفحہ ۱۲۲ سے صفحہ ۱۵۸[۱] تک مسلسل تاریخ مسلمین پر تبصرہ کیا ہے، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ایک دور کی خصوصیات اور ایک ایک زمانہ کے فتنوں کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن پیشینگوئیوں کو بھی نقل کرتے گئے ہیں جن میں ان حالات کی طرف صریح اشارات پائے جاتے ہیں۔ اس تبصرہ میں قریب قریب اُن تمام جاہلی آمیزشوں کی نشان دہی ہوگئی ہے جو مسلمانوں کے عقائد، افکار، علوم، اخلاق، تمدن اور سیاست میں ہوتی رہی ہیں۔

پھر شاہ صاحب نے خرابیوں کے اس ہجوم میں کھوج لگا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں بنیادی خرابیاں کونسی ہیں جن سے باقی تمام خرابیوں کا شجرۂ نسب ملتا ہو، اور آخر کار دو چیزوں پر انگلی رکھ دی ہے۔ ایک اقتدار سیاسی کا خلافت سے بادشاہی کی طرف انتقال، دوسرے روح اجتہاد کا مردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔

پہلی خرابی پر انہوں نے ازالہ میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خلافت اور بادشاہی کے اصولی و اصطلاحی فرق کو جس قدر واضح صورت میں انہوں نے بیان کیا ہے اور جس طرح احادیث سے اسکی تشریح کی ہے، اسکی کوئی مثال ان سے پہلے کے مصنفین کی تحریروں میں نہیں ملتی۔ اسی طرح اس انقلاب

© rasailojaraid.com

۱۔ [illegible] ۱۲۸۶ھ کا نسخہ [illegible] مطبوعہ ہے

© rasailojaraid.com

نقشہ بنانا مشکل ہوگا۔ وہ خواہ کتنا ہی پختہ ایمان لے آئے مگر بہر حال اسکے لیے دین عین اسکی زندگی نہ ہوگا بلکہ زندگی کا ایک ضمیمہ ہی بن کر رہ جائیگا۔

یہ ساری خرابی دینی اور دنیوی علوم کی تقسیم کا نتیجہ ہے اور جیسا کہ میں ابھی عرض کرچکا ہوں، یہ تقسیم بالکل اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے۔ اسلئے نئے نظام تعلیم میں دینیات کے الگ کورس کی ضرورت نہیں، بلکہ سارے کورس کو دینیات کے کورس میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ شروع ہی سے ایک بچہ کو دنیا سے اس طرح روشناس کرائیے کہ گویا وہ خدا کی سلطنت میں ہے، اسکے اپنے وجود میں اور تمام آفاق میں خدا کی آیات پھیلی ہوئی ہیں، ہر چیز میں وہ خدا کی حکمت اور قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے، اُس کا اور ہر شئے کا براہِ راست تعلق خداوند عالم سے ہے جو آسمان سے زمین تک تمام معاملات دنیا کی تدبیر کر رہا ہے، دنیا میں جتنی قوتیں اسکو حاصل ہیں اور جو اشیاء اسکے لیے مسخر ہیں، سب کی سب خدا نے اسکو دی ہیں، ان سب سے خدا کی مرضی کے مطابق اور اسکے بتائے ہوئے طریقہ پر اسے کام لینا ہے اور اپنے اس کام کی جواب دہی خدا کے سامنے اس کو کرنی ہے۔

ابتدائی مراحل میں تو کوئی دوسرا نقطۂ نظر طالب علم کے سامنے آنا ہی نہیں چاہیے۔ البتہ بعد کے مراحل میں تمام علوم اسکے سامنے اس طرح آنے چاہییں کہ معلومات کی ترتیب، حقائق کی توجیہ اور واقعات کی تعبیر تو بالکلیہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہو، مگر اسکے مخالف دوسرے تمام نظریات بھی پوری تنقید و تنقیح کے ساتھ اس حیثیت سے اسکے آگے رکھ دیئے جائیں کہ یہ ضالین اور مغضوب علیہم کے نظریات ہیں۔ اسی طرح عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے جملہ علوم کی بنیاد میں تو مقاصدِ حیات، اصول اخلاق اور مناہج عمل اسلام کے پیوست کیے جائیں اور دوسروں کے اصول اور طریقے اس حیثیت سے طالب علم کو پڑھائے جائیں کہ اُنکی فکری اساس، منزلِ مقصود اور راہِ عمل اسلام سے کتنی اور کس کس پہلو سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ ہے تمام علوم کو دینی علوم میں تبدیل کر دینے کا، اور جب اس طریقہ سے تعلیم دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں دینیات کے لیے کسی علحدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کورس کی کوئی حاجت ہی نہیں پیش آسکتی۔

دوسری خصوصیت | دوسری اہم خصوصیت جو اس نظام تعلیمی میں ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں ہر طالب علم کو مجموعۂ علوم بنانے اور تکمیل کے بعد ہر ایک کو "مولانا" اور ہر ایک کو جملہ مسائل میں فتوے کا مجاز قرار دے دینے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج ہے، ختم کر دیا جائے، اور اسکی جگہ اختصاصی تعلیم کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو سالہا سال کے تجربات کے بعد دنیا میں مفید پایا گیا ہے۔ انسان کا علم اب اتنی ترقی کر چکا ہے، اور اتنے شعبے اُس میں پیدا ہو گئے ہیں کہ کسی ایک شخص کا ان سب کو پڑھ لینا محال ہے، اور اگر تمام علوم میں محض معمولی سی شد بود اُسے کرادی جائے تو وہ کسی شعبۂ علم میں بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اسکے بجائے بہتر یہ ہے کہ پہلے آٹھ یا دس سال کا کورس ایسا رکھا جائے کہ ایک بچے کو دنیا اور انسان اور زندگی کے متعلق جتنی معلومات کم سے کم حاصل ہونی ضروری ہیں وہ اسکو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے دیدی جائیں۔ اسکے ذہن میں کائنات کا وہ تصور بیٹھ جائے جو مسلمان کا تصور ہونا چاہیے، زندگی کا وہ خاکہ جم جائے جو ایک مسلمان کی زندگی ہونی چاہیے، عملی زندگی کے متعلق وہ تمام معلومات اسے حاصل ہو جائیں جنکی ایک آدمی کو ضرورت ہوتی ہے، اور وہ ان سب چیزوں کو ایک مسلمان کے طریقہ پر برتنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اسے اپنی مادری زبان بھی آجائے۔ عربی زبان بھی اتنی سیکھ لے کہ آگے مزید مطالعہ میں اسے مدد مل سکے۔ اور کسی ایک یورپین زبان سے بھی واقف ہو جائے تاکہ معلومات کے اُس وسیع ذخیرے سے فائدہ اٹھا سکے جو ان زبانوں میں موجود ہے۔ اسکے بعد اختصاصی تعلیم کے الگ الگ کورس ہوں جن میں چھ یا سات سال کی محققانہ تربیت حاصل کر کے ایک طالب علم اُس شعبۂ علم کا ڈاکٹر قرار دیا جائے جسکی تعلیم اس نے حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر میں چند شعبوں اور انکے طریق تعلیم کی تشریح کرونگا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ میرے ذہن میں اس اختصاصی تعلیم کا کیا نقشہ ہے۔

ایک شعبہ فلسفہ اور علوم عقلیہ کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ اس شعبہ میں طالب علم کو پہلے قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا فلسفہ پڑھایا جائے، تاکہ اس ذریعہ سے وہ معلوم کرے کہ انسانی حواس سے جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں انکی تہ میں حقائق کی جستجو کرنے کی کیا سبیل ہے، عقل انسانی کی رسائی کہاں تک ہے اور کن حدود سے وہ محدود ہے، مجرد استدلال پر تخیلات کی عمارت کھڑی کرنے میں انسان کس طرح واقعات اور حقیقت کی دنیا سے الگ ہو کر خیال کی تاریک دنیا میں گم ہو جاتا ہے، ما بعد الطبیعی امور کے متعلق کتنا علم انسان کے لیے فی الواقع ضروری ہے، اُس ضروری علم تک پہنچنے میں مشاہدہ (observation) اور استقراء (Induction) سے کس طرح کام لینا چاہیے، کن امور ما بعد الطبیعت کا تعین ہم کر سکتے ہیں، کن کے متعلق ایک مجمل اور مطلق حکم سے آگے ہم نہیں بڑھ سکتے، اور کہاں پہنچ کر اجمال کو تفصیل سے بدلنے یا اطلاق کو تقیید میں تبدیل کرنے کی کوشش نہ صرف بے بنیاد ہو جاتی ہے بلکہ انسان کو تخیلاتِ لاطائل کی بھول بھلیاں میں بھٹکا دیتی ہے۔ اس بنیاد کو مستحکم کر لینے کے بعد طالب علم کو تاریخ فلسفہ کا مطالعہ کرایا جائے اور یہاں قرآنی فلسفہ کی مدد سے اسکو تمام مذاہب فلسفہ کی سیر کرا دی جائے تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ حقائق تک پہنچنے کے جو ذرائع انسان کو دیے گئے تھے اُن سے کام نہ لے کر یا اُن سے غلط طریقہ پر کام لیکر کس طرح انسان بھٹکتا رہا ہے، کس طرح اس نے اوہام کو حقیقت سمجھا اور اس سے کس طرح اسکی زندگی متاثر ہوئی، کس طرح اس نے اپنی پہنچ سے ماوراء چیزوں کے متعلق رجماً بالغیب حکم لگائے اور اسکے کیا اثرات زندگی پر مترتب ہوئے، کس طرح اس نے اپنے حواس اور اپنی عقل کی حدود کا تعین کیے بغیر اُن حقیقتوں کا تعین کرنے میں اپنا وقت ضائع کیا جن کا تعین اسکے بس کی چیز ہی نہ تھا، کہاں ہندو فلسفیوں نے ٹھوکر کھائی، کہاں سے یونانی فلسفہ بھٹک نکلا، کدھر مسلمان فلاسفہ قرآن کی بتائی ہوئی راہوں سے ہٹ کر نکل گئے، متکلمین کے مختلف اسکولوں نے صدیوں تک جن مسائل پر بحثیں کیں اُن میں قرآن کی رہنمائی سے کہاں کہاں اور کتنا کتنا تجاوز تھا، فلسفیانہ تصوف کے مختلف مذاہب نے مجمل کو مفصل اور مطلق کو مقید بنانے کی کس طرح کوششیں کیں اور وہ کس قدر غلط تھیں، یورپ میں فلسفیانہ تفکر نے کیا کیا راہیں اختیار کیں، ایک ہی حقیقت کی جستجو میں کتنے مختلف مذہب بن گئے، ان مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذاہب میں حق کتنا ہے اور باطل کی آمیزش کتنی ہوئی اور کن راہوں سے آئی، کون سے مابعد الطبیعی تصورات ہیں جنہوں نے یورپ میں جڑ پکڑلی ہے، اُن سے اخلاق و اعمال پر کیا اثرات مترتب ہوئے ہیں اور اگر کتاب اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جاتا تو فضول دماغی کاوشوں میں وقت ضائع کرنے اور غلط بنیادوں پر زندگی تعمیر کرنے سے کس طرح دنیا بچ سکتی تھی۔ اس تمام مطالعہ کے بعد طالب علم اپنی تحقیق کے نتائج مرتب کرے، اور جب اہل علم کی جرح و تنقید کے بعد وہ اپنا کامل الفن ہونا ثابت کردے تو اس کو فلسفہ میں فضیلت کی سند دے کر چھوڑ دیا جائے۔

ایک دوسرا شعبہ تاریخ کا ہونا چاہیے جس میں قرآن کا فلسفۂ تاریخ، مقصدِ مطالعۂ تاریخ اور طرزِ مطالعۂ تاریخ طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے تاکہ اس کے قلب سے تمام تعصبات نکل جائیں، وہ حقائق کو بے رنگ نگاہ سے دیکھنے اور ان سے بے لاگ نتائج اخذ کرنے کے لیے مستعد ہوجائے، نوعِ انسانی کی سرگذشت اور تہذیب انسانی کے نشو و ارتقار کا مطالعہ کرکے انسان کی فلاح و خسران اور سعادت و شقاوت اور عروج و زوال کے مستقل اصول مستنبط کرے، مداولت ایام بین الناس جس ڈھنگ پر اور جس ضابطہ کے مطابق ہوتی ہے اسے معلوم کرے، جو اوصاف انسان کو اوپر اٹھاتے ہیں اور جو اسے نیچے گرا دیتے ہیں اُن سے واقف ہو، اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے کہ کس طرح فطرت کا ایک خطِ مستقیم ابتدا سے آج تک سیدھا کھنچا ہوا نظر آتا ہے جو انسان کی ترقی کا اصلی راستہ ہے، اُس خط سے ہٹ کر جو بھی دائیں یا بائیں جانب دور نکل گیا اسے یا تو ٹھوکر کھا کر اُسی کی طرف پلٹنا پڑا ورنہ ایسا پھینکا گیا کہ پھر اس کا کچھ پتہ نشان نہ ملا۔ اس طرزِ مطالعہ سے جب طالب علم کو معلوم ہوجائیگا کہ خدا کا قانون کس قدر بے لاگ ہے، اور کیسی غیر جانبداری کے ساتھ اس نے قوموں سے معاملہ کیا ہے، تو کوئی قوم بھی نہ اسکی چاہیتی رہیگی اور نہ کسی کے خلاف اسکے دل میں نفسانی عداوت کا جذبہ رہیگا۔ جس قوم کے کارنامے پر بھی وہ نظر ڈالے گا بے لاگ طریقے سے ڈالیگا اور فلاح و خسران کے ابدی اصولوں کی کسوٹی پر کس کر کھرے کو الگ اور

© rasailojaraid.com

کھوٹے کو الگ کر کے سامنے رکھ دیگا- اس تربیت ذھنی کے بعد اسے تاریخی دستاویزوں، اور آثار قدیمہ اور مآخذ اصلیہ سے بطور خود واقعات معلوم کرنے اور بطور خود نتائج اخذ کرنے کی مشق کرائی جائے، اور اتنا تیار کر دیا جائے کہ وہ جاہلی مورخین کے چڑھائے ہوئے رنگوں سے اصل حقائق کو الگ کر کے خود بے لاگ رائیں قائم کر سکے۔

ایک اور شعبہ علوم عمران (social sciences) کا ہونا چاہیے، جس میں پہلے قرآن اور حدیث سے تمدن انسانی کے بنیادی اصول بتائے جائیں۔ پھر تفصیل کے ساتھ اصول سے فروع کا استنباط کر کے اور انبیاء کی رہنمائی میں جو تمدن بنے تھے ان کے نظائر سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان قواعد اصلیہ (fundamental principles) پر کس طرح ایک صالح نظام معاشرت، نظام معیشت، نظام سیاست، تدبیر مملکت، اور تعلقات بین الاقوام کی عمارت اٹھتی ہے۔ پھر یہ بتایا جائے کہ کس طرح انہی اصولوں پر اس عمارت کی مزید توسیع ہو سکتی ہے اور اجتہاد سے توسیع کا نقشہ مرتب کرنے کا کیا طریقہ ہے، اور انسانی علم کی ترقی سے جو نئی قوتیں دریافت ہوتی ہیں اور تمدن کے فطری نشو و نما سے جو نئے طرزِ عمل پیدا ہوتے ہیں ان سب کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس صالح تمدن میں جذب کرنے اور اپنے اپنے ٹھیک مقام پر رکھنے کی کیا صورت ہے۔ اسکے ساتھ ایک طرف طالب علم کو پچھلی قوموں اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ دیکھے کہ تمدن کے ان اساسی اصول اور الٰہی حدود کے قریب رہنے، اور ان سے انحراف کرنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اسے دورِ جدید کے سیاسی، معاشی، اجتماعی نظریات و عملیات کا تنقیدی مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ یہ بھی دیکھ لے کہ انسان نے الٰہی ہدایت سے بے نیاز بن کر بطور خود اپنی زندگی کے لیے جو راستے تجویز کیے ہیں وہ کہاں تک اس کے لیے موجب سعادت یا شقاوت ہیں۔

سائنس کی مختلف شاخوں کے لیے چند شعبے علیحدہ ہونے چاہییں جن میں قرآن کی رہنمائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف ابتک کی جمع شدہ سائنٹفک معلومات کا جائزہ لیا جائے بلکہ آثار فطرت کے مزید مشاہدہ اور قوانین فطرت کی مزید دریافت کا کام بھی انہی خطوط پر کیا جائے جو قرآن نے کھینچ دیے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے نہ اسکے موضوع کا براہ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے، لیکن چونکہ یہ اُسی مصنف کی تصنیف ہے جس نے کائنات کو تصنیف کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال واستشہاد کا کام لیتا ہے، اس لیے اسکے گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالب علم کو نہ صرف نظامِ کائنات کا بنیادی فارمولا معلوم ہو جاتا ہے، بلکہ قریب قریب ہر شعبۂ علم میں اسے ایک صحیح نقطۂ آغاز (Starting point) اور تلاش وتجسس کے لیے ایک صحیح رخ (Direction) بھی ملتا ہے۔ یہ وہ شاہ کلید (Master key) ہے جس سے سائنس کی ہر گتھی بآسانی حل کی جا سکتی ہے، جس سے تحقیق کا سیدھا راستہ صاف کھل جاتا ہے جسکی مشکل کشائی سے اگر آدمی کام لے تو اس کا بہت سا وقت گتھیوں کو سلجھانے اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں ضائع نہ ہو موجودہ سائنس کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ حقائق واقعیہ کے مشاہدے کی حد تک تو ٹھیک رہتا ہے مگر جب ان حقائق کو جوڑ کر ان سے نظریات بناتا ہے تو کائنات فطرت کے مبداء و غایت سے ناواقف ہونے کے باعث ٹھوکریں کھاتا چلا جاتا ہے، اور اس سے نہ صرف بہت سی انسانی قوت فضول ضائع ہوتی ہے بلکہ ان غلط نظریات کو جب انسانی تمدن میں جذب کر کے عملیات کی بنیاد اٹھائی جاتی ہے تو وہ فساد تمدن کی موجب ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کی رہنمائی میں جب ایک مسلم سائنٹسٹ ثابت شدہ حقائق کو نظریات سے الگ کر کے مرتب کریگا اور مزید حقائق دریافت کر کے اُن سے بہتر نظریات ونتائج نکال کر بتائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا ان سائنٹفک گمراہیوں کو چھوڑنے پر مجبور نہ ہو جائے جن میں آج وہ مبتلا ہے۔

جن علوم کو اس وقت علوم دینی کہا جاتا ہے ان کے لیے بھی الگ شعبے مخصوص ہونے چاہییں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً ایک شعبہ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کا ہو جس میں پچھلے مفسرین کے کام کا جائزہ لینے کے بعد آگے مزید کام کیا جائے مختلف پہلوؤں سے قرآن کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے اور علوم انسانی کے تمام شعبوں سے استفادہ کر کے قرآن میں روزافزوں بصیرت حاصل کی جائے۔ اسی طرح ایک شعبہ علوم حدیث کا ہونا چاہیے جس میں قدیم محدثین کے کام سے پورا استفادہ کرنے کے بعد حدیث میں تحقیق، تنقید، ترتیب معلومات اور اخذ نتائج کا مزید کام کیا جائے، دور سعادت کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی جائیں، اور ان سے وہ نتائج اخذ کیے جائیں جو اب تک ہمارے علم سے مخفی ہیں۔ ایک شعبہ قانون کا ہونا چاہیے جس میں قرآن کے احکام، احادیث نبوی کی قولی و عملی تشریحات، صحابہ کرام اور تابعین کے اجتہادات، اور ائمہ مجتہدین کے طرز استنباط اور جزئیات میں انکی تفریعات کا مفصل تحقیقی مطالعہ کیا جائے، نیز دنیا کی دوسری پرانی اور نئی قوموں کے قوانین اور قانونی نظامات پر بھی گہری نظر رکھی جائے، اور زندگی کے روز بدلنے والے مسائل و معاملات پر اصول قانون اسلامی کو منطبق کر کے فقہ کے اُن چشموں کو پھر سے رواں کیا جائے جو صدیوں سے سوکھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ شعبے نہ صرف بجائے خود بہت عظیم الشان کام انجام دینگے، بلکہ دوسرے تمام شعبوں کو بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے متعلق انہی سے وہ مواد ملیگا جسکی بنیاد پر علم کی تمام راہوں میں تحقیق و اکتشاف کا کام چلایا جائیگا۔

تیسری خصوصیت میں نے یہ چند شعبے محض تمثیلاً بیان کیے ہیں جن سے پورے نقشے کی تفصیلات کا ایک تصور بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اب میں اس نئے نظام تعلیمی کی آخری مگر نہایت اہم خصوصیت کا ذکر کرونگا، اور وہ یہ ہے کہ اس میں وہ بے مقصد تعلیم نہیں ہوگی جو آج کل ہندوستان میں دی جارہی ہے، بلکہ اس میں تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے ایک متعین اور واضح مقصد زندگی اور منتہائے سعی و عمل ہوگا، یعنی یہ کہ ان سب کو مسلک خداپرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لیے جہاد کبیر کرنا ہے۔ یہ مقصد اس نظام کی ہر چیز میں اسی طرح کام کریگا جس طرح انسانی جسم کی ہر رگ اور ہر ریشے اور ہر حرکت میں اسکی روح کام کرتی ہے۔ طلبہ کی شخصی زندگی، ان کے باہمی اجتماعات، ان کے کھیل کود اور تفریحات، اور ان کے درس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و تدریس اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کارفرمائی ہوگی، اسی کے مطابق انکی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائیگی، اسی پر انکے اخلاق ڈھالے جائینگے، اور تمام ماحول ایسا بنایا جائیگا کہ ہر شخص کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ میں تبدیل کر دے۔

متوقع نتائج | اس قسم کی تربیت اور اس قسم کی تعلیم پاکر جو لوگ تیار ہونگے ان میں یہ طاقت ہوگی کہ واقعات کی رفتار بدل دیں۔ اُنکی محققانہ تنقید جاہلیت کے علوم اور جاہلی تہذیب کی ساری بنیادوں کو ہلا دے گی انکے مدون کیے ہوئے علوم میں اتنا زور ہوگا کہ جو لوگ آج جاہلیت کے نقطۂ نظر پر جمے ہوئے ہیں ان کو وہ اسلامی نقطۂ نظر کی طرف پھیر لائینگے۔ ان کی تحقیق کے نتائج یورپ اور امریکہ اور جاپان تک کو متاثر کرینگے اور ہر طرف سے معقول انسان انکے نظریات کی طرف کھنچے چلے آئینگے۔ ان کا مرتب کیا ہوا نظریۂ حیات اور لائحۂ زندگی اتنی قوت کے ساتھ فکر و نظر کی دنیا پر چھا جائیگا کہ عمل کی دنیا میں اسکے خلاف کسی دوسرے لائحہ کا چلنا مشکل ہوگا۔ پھر اسی تعلیم سے اُس سیرت اور اُس عزم کے لوگ پیدا ہونگے جو امامت کے نظام میں عملاً انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ وہ اس انقلاب کے فن کو بھی جانتے ہونگے، ان میں اسکے برپا کرنے کا مضبوط داعیہ بھی ہوگا، اور انہیں اپنی انقلابی تحریک کو خالص اسلامی راہوں پر چلانا بھی آتا ہوگا۔ پھر انہی میں یہ اہلیت بھی ہوگی کہ کامیابی کی منزل پر پہنچ کر اسلامی اصول کے مطابق ایک اسٹیٹ ایک مکمل نظام تمدن کے ساتھ بنا کھڑا کریں جسکی شکل اور روح اسلامی ہو اور جو دنیا میں امامت کرنے کی پوری طاقت و صلاحیت رکھتا ہو۔

عملی مشکلات | حضرات! اس مرحلہ پر پہنچ کر تین کٹھن سوالات سامنے آتے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہ معروضات سننے کے دوران ہی میں ان سوالات نے آپ کے دلوں میں خلش پیدا کرنی شروع کر دی ہوگی۔

نصاب اور معلمین کی تیاری | پہلا سوال یہ ہے کہ یہ نیا نظام قائم کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ اس نئے طرز پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ تو پڑھانے والے ہی اس وقت کہیں مل سکتے ہیں اور نہ ایسی کتابیں ہی موجود ہیں جن سے کسی ایک شعبۂ علم کی تعلیم بھی اس نقشہ کے مطابق دی جاسکے، بلکہ شائد مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ پہلی جماعت کے بچے کو بھی اس طرز کی تعلیم دینے کے لیے کسی مدرس اور کسی کتاب کا ملنا اس وقت مشکل ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک نئی عمارت بنانے کے لیے بھٹہ تیار کرنا پڑتا ہے تاکہ اینٹیں پکائی جائیں اسی طرح ایک نیا نظام تعلیم بنانے کے لیے بھی ایک تربیت گاہ بنانا ضروری ہے تاکہ اس میں وہ آدمی تیار کیے جائیں جو اس خاص طریقہ کی تعلیم دینے کے قابل ہوں۔ اینٹیں بھی تو آپ کو پکی پکائی نہیں ملتیں۔ پکانی پڑتی ہیں۔ آدمی بھی آپ کو بنے بنائے نہیں ملینگے۔ بنانے پڑینگے۔ اسی ناقص تعلیم سے کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی فارغ ہو کر نکلے ہیں جو فطرت ابراہیمی پر پیدا ہوئے ہیں کافر گر تعلیم و تربیت کے سارے مرحلوں سے گذرنے کے باوجود اپنا ایمان بچا لائے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر اور مقصد زندگی اسلامی ہے یا ذراسی محنت سے خالص اسلامی بنایا جاسکتا ہے۔ ان میں یہ طاقت بھی موجود ہے کہ جس مقصد پر وہ ایمان لائے ہیں اسکی راہ میں جفاکشی کرسکیں۔ ان میں اجتہادی صلاحیتیں بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کو لیکر اگر خاص قسم کی ذہنی و اخلاقی تربیت دی جائے، اور معلومات جس ترتیب سے اُنکے ذہن میں اب تک جمع ہوتی رہی ہیں اُسکو ذرا حکمت کے ساتھ بدل دیا جائے، اور زاویۂ نگاہ اچھی طرح اسلام کی سمت میں جما دیا جائے، تو یہی لوگ تحقیق و مطالعہ سے اس قابل ہوسکتے ہیں کہ علوم کو میرے بیان کردہ نقشہ کے مطابق از سر نو مدوّن کرنا شروع کردیں۔ پھر جب تدوین علوم کا کام کسی حد تک انجام پاجائے تو ایک نمونہ کی درسگاہ ابتدائی تجربوں کے لیے بنائی جاسکتی ہے، اور بعد میں آہستہ آہستہ اسے ترقی دیکر یونیورسٹی کے مرتبہ تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

متعلمین کی فراہمی دوسرا سوال یہ ہے کہ اس قسم کا نظامِ تعلیم اگر قائم بھی کردیا جائے تو اس میں جاذبیت کونسی ہوگی جو پڑھنے والوں کو اسکی طرف کھینچے گی؟ جو نظامِ تعلیم موجودہ نظامات تمدن و سیاست کی خدمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے نہیں بلکہ ان سے لڑنے کے لیے بنایا جائے اس میں شریک ہونے والے کو یہ تو امید ہو ہی نہیں سکتی کہ کل وہ وہاں سے نکل کر کچھ کما کھائیگا، پھر کتنے ایسے لوگ ہونگے جو کمانے سے بے نیاز ہو کر اس تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے آئینگے جسکے بعد دنیوی لحاظ سے کوئی شاندار مستقبل نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نظام تعلیم میں حق اور صداقت کے سوا کوئی کشش نہیں ہے اور کسی دوسری کشش کی حاجت بھی نہیں۔ جن لوگوں کے لیے اس چیز میں جاذبیت نہ ہو اور صرف روٹی ہی جنکو کھینچ سکتی ہو انکی توجہ فرمائی سے یہ نظام تعلیم خود بھی اتنا ہی بے نیاز ہوگا جتنے وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ اسکے لیے تو وہ لوگ درکار ہیں جو جان بوجھ کر اس مقصد اور اس کام کے لیے اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی وقف کرنے پر تیار ہوں جسکے لیے یہ نظام تعلیم بنایا جائیگا۔ اور ایسے لوگ بالکل ہی مفقود نہیں ہیں۔ تمام ہندوستان سے کیا پچاس بچے بھی ہر سال اس کام کے لیے نہ مل سکینگے؟ اگر اتنے بچے بھی وہ قوم فراہم نہیں کر سکتی جو مدتوں سے اسلام اسلام چیخ رہی ہے تب بھی کچھ پروا نہیں۔ اللہ دوسری قوموں کو یہ سعادت بخشے گا۔

مال کا سوال | تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ اس کام کے لیے مال کہاں سے آئیگا؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ اُن لوگوں کے پاس سے جو مال اور ایمان دونوں رکھتے ہوں اور اتنی عقل بھی رکھتے ہوں کہ اپنے مال کا صحیح مصرف سمجھ سکیں۔ ایسے لوگ بھی اگر اس قوم میں نہ پائے گئے جو رات دن اسلام کے درد میں تڑپ رہی ہے تو میں پھر یہی کہونگا کہ کچھ پروا نہیں، اللہ دوسری قوموں میں سے ایسے آدمی پیدا کریگا۔ آخر پہلے بھی تو کفر و شرک ہی کی گود سے وہ اللہ کے بندے نکل کر آئے تھے جنکی مالی قربانیوں سے دنیا میں اسلام کا فروغ ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفریق دین و سیاست

(۲)

از جناب مولانا ابوالحسن علی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

بہر حال جو دن یورپ میں ضروری طور پر آیا تھا ٹرکی میں غیر ضروری طریقہ سے آ گیا۔ ۱۹۲۰ء کے انتخابات میں تو علم دین سے واقفیت رکھنے والے کچھ لوگ منتخب ہو گئے تھے اور انہوں نے تین سال تک قومی مجلس عالیہ میں دوسرے نمائندوں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ مگر ۱۹۲۳ء کے انتخاب میں یہ لوگ میدان سے ہٹا دیئے گئے اور پوری اسمبلی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جو اسلام کو کچھ بھی جانتا ہو۔ اس کے بعد راستہ صاف تھا۔ ۱۹۲۴ء میں ریاست اور مذہب کی تفریق پایۂ تکمیل کو پہنچا دی گئی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ توڑ دیا گیا اور امور مذہبی کا محکمہ وزیر اعظم کی ماتحتی میں دے دیا گیا۔ وزارت اوقاف توڑ دی گئی اور اس کا کام وزارت مالیات کے سپرد کر دیا گیا۔ جو مذہبی مدارس وزارت اوقاف کے ماتحت تھے وہ بند کر دیئے گئے۔ ۱۹۲۵ء سے انتہا پسند عنصر غالب ہو گیا۔ اس نے تغیرات (تجدد پسندوں کی زبان میں "اصلاحات") کو سختی سے جاری کیا۔ ۱۹۲۶ء میں اسلامی قانون ترکوں کی زندگی کے ہر شعبہ سے خارج کر دیا گیا۔ تجارتی قانون جرمنی سے لیا گیا فوجداری قانون اٹلی سے اور دیوانی قانون سوئٹزرلینڈ سے اب ترکوں کی وراثت تک شرعی طریقہ سے تقسیم نہیں ہوتی اور ان کا نکاح اور طلاق تک شریعت کی پابندی سے آزاد ہے۔ گویا کفار کی حکومت کے ماتحت جس حد تک شرع اسلامی کا نفاذ ہم ہندی غلاموں کی زندگی میں ہوتا ہے "آزاد" ترکوں کی زندگی میں اتنا بھی نہیں ہوتا۔ ۱۹۲۸ء میں ایک قدم اور بڑھایا

© rasailojaraid.com